ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر وفا یزداں منش ❁
ڈاکٹر ذکیہ رانی ❁❁

شیخ سعدی شیرازی اور میر تقی میرؔ کی غزلیات میں تصورِ عشق

Ishq in the ghazals of Sheikh Saadi and Mir Taqi Mir
By *Dr. Vafa Yazdan Manesh, Assoc. Prof., Dept. of Urdu, University of Tehran, Iran.*
Dr. Zakia Rani, Asst. Prof., Dept. of Urdu, University of Karachi.

ABSTRACT

There has been a tradition of the concept of love continuing in Persian and Urdu literatures since old ages to modern times. It is due to its confidential affairs of love that the concept is highlighted differently in the poetry of Persian and Urdu poets. According to critics, though Mir learned a lot from the poetry of Saadi, personal experiences and observations are commonly found in the poetry of the two in relation to the concept of love.

In view of Saadi and Mir, love is a precious pearl of life. In the eyes of both, love is a gift of God. The man in its search passes through thick and thin of life and becomes pure gold. In the poetry of Saadi and Mir, the states of real and metaphorical loves are connected with the view of their civilizations. In the lover of Saadi and Mir, the restlessness and eagerness keep him steadfast in the testing time of separation with the beloved. The expanse of the concept of love and its variation has been made part of this scholarly paper.

First time, a comparative analysis of different

❁ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، تہران یونی ورسٹی، ایران
❁❁ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، کراچی یونی ورسٹی

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

aspects of the concept of love in the poetry of the two poets is being presented in this paper with respect to beauty, real and metaphorical love, hope and disappointment, universe, beloved, lover and meanings.

An important part of this paper is an analysis of similar and different topics treated by Saadi and Mir.

Keywords: Saadi, Mir Taqi Mir, Tradition, Love, Persian Literature, Urdu Literature, Poetry.

مقدمہ

فارسی اور اردو ادب کی شعری دنیا عہد کلاسیک تا عہد جدید تصور ”عشق“ سے گندھی ہوئی ہے۔ اس تصور کی مختلف صورتیں جیسے کہ عشق کی ابتدا، عشق کی حقیقت، عشق کے مدارج شاعری میں دکھائی دیتے ہیں۔ عشق اور حسن کا تصور ازل سے ہے۔ اس فانی دنیا میں آنے سے پہلے مجردات کے عالم میں حسن و عشق کو عیاں کر دیا گیا تھا پھر بنی آدم نے اس جہانِ فانی میں آنکھ کھولی تو گویا یہ تصور اس کی گھٹی میں پڑ گیا۔ انسان ہمیشہ سے عشق کے اسرار و رموز کا متلاشی ہے تاکہ اس کے سامنے خود کو تسلیم کرے۔ جہاں اسے ظاہری حسن نظر آتا ہے وہ اس سے حسنِ مطلق کی جھلک پا کر دل لگا بیٹھتا ہے۔ عشق مجازی جسمانی ضرورت کو پورا کرتا ہے تو عشق حقیقی روح کو کمال تک پہنچاتا ہے۔ یہ دونوں عشق ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ سچا اور پر خلوص عشق آئینے جیسے دل کی خبر دیتا ہے جو روحانی کیفیت سے بھرپور ہے اور عشق کے تقاضے پورے کرتے کرتے عاشق حیاتِ روحانی کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ چناں چہ عشق ایسا عنصر ہے جو عاشق کے تمام احساسات و جذبات کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ عاشق کی شخصیت میں تغیر آتا جاتا ہے۔ اس کی کیفیات و محسوسات میں انوکھے، نئے جلوے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کی آنکھیں ظاہر سے باطن کا احوال سناتی ہیں۔ فارسی ادب میں پانچویں صدی کے بعد ”عشق“ نے عرفان کے میدان میں وسعت پائی یہاں تک کہ انسانی مفاہیم کی اقدار شعرا کے کلام میں دکھائی دینے لگیں۔ پھر عارفانہ اور مجازی عشق کی آمیختگی پیدا ہوئی اس کے بعد کچھ شعرا مجازی عشق کے اظہار میں ماہر ہو گئے۔ اردو اور فارسی شاعری میں عشق کا لفظ، سب سے زیادہ گہرے مضمون کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ شعراء اس لفظ کو بروئے کار لا کر بڑے بڑے کلام چھوڑ گئے ہیں۔ عشق ایک ایسا وسیع موضوع ہے جو معانی کی وسعت کی وجہ سے ہر شاعر کے کلام میں خصوصی طور پر نمایاں ہوتا ہے، چاہے حقیقی عشق ہو چاہے عشقِ مجازی ہر شاعر نے اسے اپنے فکری و تخلیقی اظہار میں متنوع انداز میں پیش کیا ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

موضوع کا بیان

سعدی شیرازی اور میر تقی میر دونوں کا عہد مختلف ہے لیکن دونوں کی شاعری پر ''عشق'' اور اس سے متعلق تلازمات چھائے ہوئے ہیں۔ فارسی میں سعدی کو "استاد غزل عاشقانہ" کا خطاب دیا گیا ہے۔ جب کہ میر کو "اردو کا شیخ سعدی"، "سرتاج شعرائے اردو" اور "خدائے سخن" کے خطابات ملے ہیں۔ دونوں کی غزلیات میں تصور عشق کے حوالے سے انوکھے خیالات پائے جاتے ہیں۔ اس لیے ان دونوں کی غزلیات میں تصور عشق کا تقابلی جائزہ لے کر اس مایہ حیات کی بہتر شناخت حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

تحقیق کا پس منظر

سعدی اور میر کی شاعری پر کافی ماخذ منظر عام پر آ چکے ہیں، اسی طرح ان کی شاعری میں مطالعہ عشق کے لحاظ سے بھی ماخذ ملتے ہیں مگر ان دونوں کی شاعری میں تصور عشق کے حوالے سے کوئی تقابلی جائزہ نہیں ہوا ہے۔ البتہ میر کی شاعری میں ''سعدی کی شاعری کا اثر'' یا میر کی عشقیہ شاعری پر مختلف مضامین، "میر اور ہم" مجنوں گورکھپوری، "میر کی عالم گیر مقبولیت" فراق گورکھپوری وغیرہ جبکہ میر شناسی کے اہم مصنّفین جن میں، ڈاکٹر سیّد عبداللہ "نقدِ میر"، محب عارفی "میر تقی میر اور آج کا ذوقِ شعری"، ڈاکٹر فرمان فتح پوری "میر کو سمجھنے کے لیے"، شمس الرحمان فاروقی "شعرِ شور انگیز" یا "تصورِ عشق اور میر کی شاعری" ظفر انصاری، "صوفیانہ شاعری میں عشق کا تصور" سید احمد حسن وغیرہ میں میر کی فنی و فکری معنویتوں کو اُجاگر کیا گیا ہے مگر کوئی ٹھوس مقالہ یا کتاب میر اور سعدی کے کلام کے حوالے سے دیکھنے میں نہیں آئی۔ اس ضمن میں ان دونوں شعرا پر اہم ماخذات میں سعید حمیدیان، سعدی در غزل، ۱۳۸۴؛ محمد علی کاتوزیان، سعدی، شاعر عشق و زندگی، ۱۳۸۵: ۴؛ وفا یزدان منش، ''تاثیر زبان شعر و فرہنگ فارسی بر غزل اردو''، مشمولہ مقالات ہمایش بررسی پیوندہای فرہنگی، ادبی ایران و ہند با تأکید بر جایگاہ ہمدان، دانشگاہ ابوعلی سینا، ۱۳۹۱: شامل ہیں۔

اس مقالے میں ان دونوں شعرا کے کلام کا تصورِ عشق کے حوالے سے یہ پہلا تقابلی اور تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔

تحقیق کی غایت، مقصد، سوالات

فارسی اور اردو ادب میں تصورِ عشق کی روایت عہدِ قدیم سے عہدِ جدید تک چلی آ رہی ہے۔ تصورِ عشق اپنے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اسرار و رموز کے سبب فارسی اور اردو شعرا کے کلام میں متنوع صورتوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ اس تحقیق کا مقصد شیخ سعدی (ولادت: ۱۲۱۰ء/ ۶۰۶ھ۔ وفات: ۹۲-۱۲۹۱ء/ ۶۹۰ھ) اور میر تقی میر (ولادت: ۱۱۳۵ھ/ ۱۷۲۲ء۔ وفات: ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء) کی غزلیات کا مطالعہ کرتے ہوئے عشق سے متعلق مضامین سے مستفیض ہونا ہے۔ اسی طرح یہ نتیجہ اخذ کرنا ہے کہ اگرچہ نقادوں کے خیالات کے مطابق میر نے سعدی کی شاعری سے بہت کچھ حاصل کیا مگر تصورِ عشق کے حوالے سے ان دونوں کی شاعری میں روایت کے ساتھ ساتھ ان کے اپنے ملتے جلتے تاثرات اور مشاہدات ہیں۔ یہاں سوال یہ ہے کہ عشق کا تصور مدنظر رکھتے ہوئے ان دونوں کی غزلیات میں کیا کیا اشتراکات پائے جاتے ہیں؟

تحقیق کا طریقہ

اس مقالے کی تسوید میں تجزیہ وتقابل کے ذریعے نتائج اخذ کیے جائیں گے۔ تحقیق کی بنیاد دونوں شعرا کے اشعار اور اس موضوع سے متعلق اہم مآخذات اور اہم نقادوں کی تحریروں سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔

سعدی اور میر کے یہاں عشق کی خصوصیات

شاعری کی دنیا جذبات واحساسات کے اظہار میں متنوع تلازمات والفاظ سے مملو ہے۔ "عشق" کا لفظ بھی اپنی معنوی اور مرادی وسعتوں سے شعرائے کرام کے کلام میں جلوہ نما نظر آتا ہے۔ عربی لغات میں اس کے معنی "فرط الحب"،[۱] محبت کی زیادتی، فارسی میں، شدتِ محبت، فریفتگی،[۲] انگریزی[۳] میں to love Passionately اردو کی معروف لغت فرہنگ آصفیہ میں اس کے معنی کسی چیز کو نہایت دوست رکھنا۔ ازحد محبت، پریم، موہ، پیار، پریت، نیہا، محب، شوق، آرزو، وغیرہ درج ہیں۔ فرہنگ آصفیہ کے مؤلف سیّد احمد دہلوی کے مطابق:

> بعض لوگوں کی رائے ہے کہ یہ عشقہ سے ماخوذ ہے۔ جو کہ ایک قسم کی بیل زرد تاگوں کی مانند ہوتی ہے اور ہندی میں اسے اکاس بیل یا امر بیل کہتے ہیں۔ جس درخت پر یہ لپٹ جاتی ہے اسے سکھا کر چھوڑتی ہے۔ پس عشق کا بھی یہی حال ہے کہ جس شخص پر غالب آجاتا ہے اُسے سکھا کر کانٹا کر دیتا ہے۔ بعض اہلِ لغات عشق پیچاں یعنی لبلاب کو بھی عشقہ کہتے ہیں لیکن اس صورت میں صرف لپٹنا ثابت ہوتا ہے یعنی عاشق کو ملنے اور وصل کا ہمیشہ شوق رہتا ہے۔[۴]

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر سیّد احمد حسن کے مطابق:

> عشق پوری شخصیت کو ایک مرکز پر سمیٹ لانے والی ترکیبی قوت ہے۔ یہی جبلی مطالبات میں توازن قائم کرتا ہے اور انسان کو آفاقی اقدار کے ساتھ ہم آہنگ کرتا ہے۔ تعمیر کردار میں اوصاف کی نئی ترتیب و تحلیل کرتا ہے۔ جس سے اخلاق ذمیمہ پر قدرت حاصل ہوجاتی ہے اور انسان اوصافِ الٰہیہ سے متصف ہوجاتا ہے۔(۵)

ادب میں مختلف مضامین ملتے ہیں ان میں سب سے زیادہ عشق ہے اور دوسرا نصیحت اور مشورہ؛ گویا یہ دونوں ادب کا لاینفک جزو ہیں۔ اسی طرح ادب میں علمی و اخلاقی موضوعات شاعری میں ہمیشہ سے موجود رہے ہیں۔ فارسی ادب میں سعدی بحیثیت نثر نگار اور شاعر مقبول ہیں۔ ان کی حکایات اور غزلیات بہت مشہور ہیں۔ ان کی شاعری اور حکایات کی تعلیمی و علمی جہت انھیں معلم اخلاق کہلواتی ہے۔ لیکن جب وہ عشق کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو عجیب طرح کے جوش میں آتے ہیں۔ اس لیے:

"سعدی ہمیشہ ناصح رہے ہیں یا عاشق"(۶)

سعدی زندگی کی ترجمانی کرتے ہیں وہ زندگی کے ہر پہلو کی تفسیر کرتے ہیں۔ عشق کو وہ زندگی کے اہم پہلو کے طور پر اپنی شاعری میں مرکزیت کا رتبہ دیتے ہیں۔ بلکہ وہ عشق کو انسان اور زندگی کی پیدائش کا مقصد سمجھتے ہیں:

> سعدی کی شاعری کی ساری خوبیاں ترازو کے ایک پلڑے پر رکھیں اور دوسرے ترازو کے پلڑے پر اس کی عاشقانہ شاعری رکھیں، دونوں پلڑے برابر ہوں گے، سعدی کے وجود کو عشق و محبت سے پیدا کیا گیا ہے۔(۷)

مرا تو غایت مقصودی از جهان ای دوست
هزار جان عزیزت فدای جان ای دوست(۸)

معلم اخلاق سعدی کی غزلیات کی تعداد تقریباً سات سو ہے۔ ان میں سے اکثر میں ان کا انداز سراسر عاشقانہ ہے اور وہ پند و نصیحت سے خالی ہیں البتہ وہ اخلاق اور تمیز کا دامن نہیں چھوڑتے ہیں۔ گویا وہ عشق میں اخلاق کی تعمیل کر رہے ہوتے ہیں۔ سعدی عشق کے راستے میں پیچیدگی اور جاودانی کے قائل ہیں اور عقل پر عشق کو اولیت دیتے ہوئے ناصحوں اور مدعیوں کی ڈانٹ اور نصیحتوں سے بے التفاتی برتتے ہیں۔ کوئی سعدی اور اس کے عشق سے شناسائی کرنا چاہتا ہو تو اس کی غزلیات کا جائزہ لینا چاہیے۔ سعدی نوجوانی سے بڑھاپے تک عشق کی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

خواہش کرتے چلے آئے ہیں۔ ان کی غزلیات میں عشق کے حوالے سے موضوعات بکثرت ملتے ہیں: عاشقی کرنے کا طریقہ، خوب صورت محبوب کا وصف، ملن کا شوق، ہجر کی برداشت، یار سے دور رہنے میں صبر وحوصلہ، یار کی بے التفاتی اور اور زیادتی کا سہنا، وفاداری، عشق میں ثبات۔ ان کا عشق حسن پر ختم نہیں ہوتا، جان و روح، تقوی، کائنات اور خدا اس عشق کا موضوع بنتے ہیں۔ سعدی عشق کو خوب جانتے ہیں۔ وہ عشق کی خواہشات کو بیان کرتے، معشوق کی اداؤں سے باخبر ہیں اور اپنے اور اس کے شوق کے ترجمان ہیں۔ ان کی شاعری میں عشق کی حکمرانی مختلف ڈھنگ میں چھائی ہوئی ہے۔

> کبھی عشق ان کے اشعار میں تیغ زنی اور لوٹ مار کرتا میدان میں اترتا ہے، کبھی ایک جیتنے والے بادشاہ کی طرح دل کے ملک میں وار کر اس کا احاطہ کرتے ہوئے دل کے اندر راستہ بنالیتا ہے۔ بہرحال سعدی کا یہ خیال ہے کہ کہ کوئی عشق کی تلوار کے ذریعے قتل بھی ہوجائے پھر وہ لازوال بادشاہی تک پہنچتا ہے اور اس کی قیمتی خون کے بدلے میں وہ تاریخ میں زندہ رہے گا۔[۹]

سعدی اگر عاقلی عشق طریق تو نیست　　　با کف زور آزمای، پنجہ نباید فکند[۱۰]

ہر آدمی کہ کشتہ شمشیر عشق شد　　　گو غم مخور کہ ملک ابد خونبہای اوست[۱۱]

اردو شاعری میں "عشق" کا لفظ روایتی استعاروں اور جذبات وکیفیات کی ترجمانی کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ لفظ "عشق" کی معنوی جہات کو ہر شاعر نے اپنے فکری وفنی زاویے سے واضح کیا ہے۔ اردو کے سعدی[۱۲] کہلانے والے میر تقی میر کی غزل بھی عشق کی نیرنگیوں اور تجلیات سے عبارت ہے۔

> غزل داخلی اور غنائی صنف ہے اور عشق اس کا خاص موضوع ہے۔ عشق کی مخصوص علامات ورمزیات کے ذریعے شاعر اپنے جذبے، احساس اور تجربوں کا اظہار کرتا ہے۔ اپنی بات حدیثِ دیگراں میں بیان کرنے کی وجہ سے غزل کے شعر میں ہر بات اشاروں کنایوں میں کہی جاتی ہے۔[۱۳]

عشق غزل کا مرکزی موضوع ہے۔ میر نے اپنی غزلوں میں عشق کے رموز وکنایات کے ذریعے حیاتِ انسانی اور کائنات کے رشتوں کو بیان کیا ہے۔ میر کی شاعری کا مرکزی موضوع انسان اور اس کا محور عشق ہے۔

خالی نہیں بغل کوئی دیوان سے مرے　　　افسانہ عشق کا ہے یہ مشہور کیوں نہ ہو[۱۴]

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو سارے عالم میں بھر رہا ہے عشق(۱۵)

درد ہی خود ہے خود دوا ہے عشق شیخ کیا جانے تُو کہ کیا ہے عشق
تو نہ ہووے تو نظمِ کل اُٹھ جائے سچّے ہیں شاعراں خدا ہے عشق(۱۶)

میر کے نزدیک عشق زندگی کا آہنگ اور نظام عالم کا ناظم ہے۔ وہ سببِ تخلیق کائنات بھی عشق کو قرار دیتے ہیں۔

عشق سے نظامِ کل ہے یعنی عشق کوئی ناظم ہے خوب
ہر شے جو یاں پیدا ہوئی ہے موزوں کر لایا ہے عشق(۱۷)

بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

میر کے نزدیک عشق ہی خالق، عشق ہی خلق اور عشق ہی باعثِ ایجادِ خلق ہے۔(۱۸)

عشق حقیقی و مجازی

سعدی کے ہاں عشق ایک الٰہی تحفہ ہے اور اس کو عشق کا سبق، مباحثہ اور مدرسہ سے سیکھا نہیں جاتا بلکہ وہ انسان کے اندر ایک صلاحیت کے طور پر چھپا ہوتا ہے اور سعدی اس صلاحیت کو ماہرانہ اور سلیقہ مندی سے بروئی کار لاتے ہیں اور فارسی غزل کو اس مہارت سے دوبالا کر دیتے ہیں۔

سعدی کی عاشقانہ غزلیات اغلب مطلع سے لے کے مقطع تک عاشقانہ ہی رہتی ہیں اور وہ دوسرے موضوعات کو نہیں چھیڑتے ہیں اور انسانی، زمینی اور ملموس والے عشق کا بیان کرتے ہیں ایسا عشق جو شوق و احساس سے بھرپور ہونے کے ساتھ ساتھ شاندار اور اعلیٰ بھی ہوتا ہے۔(۱۹)

طریق عشق بہ گفتن نمی توان آموخت
مگر کسی کہ بود در طبیعتش مجهول(۲۰)

عشق سعدی کے لیے دنیا کو خوب صورت بنا لیتا ہے اور دنیا کی ہر چیز اور ہر لمحہ اس کے لیے پرکشش محسوس ہوتی ہے۔ سعدی توازن برقرار رکھتے اور عشق کی کیفیت کے زیرِ اثر جسم و روح کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ وہ ایسا عاشق ہے جو معشوق کی ہر طرح کا حسن اور تراوش دیکھ کر ان سب جوش و حسن کے مظہر یعنی خالق کو ڈھونڈھتا ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سعدی کی غزلیات میں عشق صرف انسانی حسن تک ختم نہیں ہو پاتا۔ جان و روح، ایمان، فطرت، خدا اور ساری کائنات اس عشق کا موضوع بنتے ہیں۔ وہ حسن و جمال کے پس منظر میں ازل کا مصور دیکھ پاتا ہے۔(۲۱)

هر صفتی را دلیل معرفتی هست
روی تو بر قدرت خدای دلائل(۲۲)

سعدی کے نزدیک، سب عشق کے خواہشمند ہیں اور ہر دم اپنے معشوق کی تلاش میں رہتے ہیں اور عشق کائنات میں رواں ہے اور الست سے لے کر ابد تک کائنات کے سب عناصر میں بہتا جارہا ہے اور چاہے زندگی کے کسی انجانے موڑ پر انسان کو ملے پھر بھی رسائی سے دور نہیں ہوگا۔

سعدی اپنی غزلیات میں عشق کو ایک امانت کے طور پر باندھتے ہیں جو ازلیت اور تقدیر کے حصے میں آجاتا ہے اور الست کے عہد میں عاشقانہ وعدہ کے طور پر انسان پر سونپا گیا ہے۔ چناں چہ اس کی شاعری میں ازلیت اور ابدیت کے طور پر عاشقی کرنا اور اس کو الہامی و آسمانی اور عالم غیب سے جوڑنا مسلسل جاری ہے اور اس کی بہت سی جھلکیاں نمایاں ہیں۔(۲۳)

وہ عشق کو حقیقی خالق سے جوڑ دیتے ہیں کہ الست سے ابد تک خالق کا عشق و حسن کائنات میں جاری ہے تو اس کائنات میں عشق ختم ہونے والی چیز نہیں۔

جب سعدی آسمانی عشق کی بات کرتے ہیں ان کا لہجہ بدل جاتا ہے، وہ عشق کے راستے ہی سے ایمان کی راہ تلاش کرتے ہیں۔(۲۴)

شراب وصل تو در کام جان من ازلی است
هنوز مستم از آن جام آشنایی باز(۲۵)

چناں چہ سعدی ایسی عشق کی تصویر کشی کرتے جو زلال و پاک ہے اور اعلیٰ عالم سے اخذ شدہ ہے۔ بقول فریدہ محسنی ہنجی:

وہ ایک ایسے عشق کا تصور کرتے ہیں جس کی جڑ ازل میں ہے اور عمر ختم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مٹ نہیں جاتا اور ابد تک چلتا رہتا ہے۔(۲۶)

اگر تو عمر درین ماجرا کنی سعدی حدیث عشق به پایان رسد، نپندارم(۲۷)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

آستین برروی ونقشی در میان افکندہ ای خویشتن پنہان وشوری در جہان افکندہ ای[۲۸]

آن پریزاد مہ پارہ کہ دلبند منست کس ندانم کہ بجان درطلبش پویان نیست[۲۹]

سعدی کی ایسی غزلیات بھی ملتی ہیں جن میں آسمانی و زمینی معشوق ایک ہی چکر میں آتے ہیں اور عارفانہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔محبوب ظاہراور سیرت کےحسن کا مالک ہےمگروہ حجاب میں ہے جیسے حقیقی معشوق حجاب میں ہے۔ ایسے وقت میں پیدا شدہ عشق پر کمال کا احاطہ ہوتا ہے۔ ان دونوں عشق کا ملاپ، خاص سعدی کی شاعری میں ملتا ہے:

> سعدی کے نزدیک خدا سارے کائنات سے آمیختہ ہوجاتا ہے اور اپنی ساری جھلکیوں کے ساتھ آسماں کے علاوہ زمین اور ناسوتی دنیا سےتعلق رکھتا ہے اس لیے کہ وہ اپنے سارے مُظاہرے ملا کرکل کائنات کو وجود میں لایا ہے۔ یہاں سعدی وحدت الوجود کی طرف میلان رکھتے ہوئے عارفانہ طور پر اپنے خالق کو جانتے ہیں، آگے بڑھتے ہیں اور سیر وسلوک میں آخری مقام تک پہنچتے ہیں۔ فنا ہوجاتے ہیں دوبارہ زندہ اور جاودان ہوتے ہیں۔[۳۰]

سلسلہ موی دوست حلقہ دام بلا ست
ہر کہ در این حلقہ نیست، فارغ از این ماجراست[۳۱]

سعدی کےبعض اشعار میں عشق حقیقی اور مجازی دونوں کولیا جاسکتا ہے:

دری بہ روی من، ای یار مہربان، بگشای کہ ہیچ کس نگشاید اگر تو در بندی[۳۲]

ای کہ ز دیدہ غایبی، در دل ما نشستہ ای حسن تو جلوہ می کند، وین ہمہ پردہ بستہ ای[۳۳]

میر کی غزلیات میں عشق حقیقی ومجازی کی نوعیت روایت سے جڑی ہوئی ہونے کے باوصف ان کےفکری اورحسی رویوں کی ترجمان بھی ہے۔میر کی تربیت جس ماحول میں ہوئی اس ماحول اورپھر والد کی نصیحت کہ جوہمیں صوفیا کےتصورات میں بھی ملتی ہےاور یہ وہی تعلیم عشق ہے جومیر کے والد نے انھیں دی۔

> بیٹاعشق کرو، عشق ہی اس کارخانۂ ہستی کا چلانے والا ہے۔ اگرعشق نہ ہوتا تو

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

نظامِ عالم قائم ہی نہ ہوسکتا بغیر عشق کے بغیر زندگی وبال ہے۔ عشق میں جی جان کی بازی لگا دینا ہی کمال ہے۔ عشق ہی بناتا ہے۔ عشق ہی جلا کر کندن کر دیتا ہے۔ جو کچھ ہے وہ عشق ہی کا ظہور ہے۔ آگ میں سوزش عشق سے ہے اور پانی میں روانی عشق سے ہے۔ خاک میں عشق کا قرار ہے اور ہوا میں اس کا اضطرار ہے۔ موت عشق کی مستی اور زندگی اُس کی ہوشیاری ہے۔ دن عشق کی بیداری اور رات اُس کی نیند ہے۔ مسلمان عشق کا جمال اور کافر اُس کا جلال ہے۔(۳۴)

نابلد ہو کے رہِ عشق میں پہنچوں تو کہیں ہم رہِ خضر کو یاں کہتے ہیں گم راہ سنا(۳۵)

عشق ہے طرز و طور عشق کے تئیں کہیں بندہ کہیں خدا ہے عشق
عشق معشوق عشق عاشق ہے یعنی اپنا ہی مبتلا ہے عشق(۳۶)

عشق مجازی کی کیفیت میر کے یہاں ان کی کیفیت اور تجربے کی کسوٹی سے گزر کر تخلیقی آواز بنتی ہے۔ یہی وہ عمل ہے جو انھیں معاصرین سے ممیز کرتا ہے۔ وہ عام کیفیت اور تجربے کو خاص انداز سے بیان کرتے ہیں جب کہ عشق حقیقی کی کا تصور ان کے یہاں انکشافِ ذات سے وابستہ ہے کہ جو انسان کو خالقِ کائنات کی صفات سے جوڑ دیتا ہے۔ جب انسان ذاتِ باری تعالیٰ سے جُڑ جائے تو اس میں اعلیٰ اخلاقی صفات، قناعت، بے نیازی، انکسار اور ایثار پیدا ہو جاتا ہے۔ میر عشق حقیقی اور عشق مجازی کی اس کیفیت کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

لوگ بہت پوچھا کرتے ہیں کیا کہیے میاں کیا ہے عشق
کچھ کہتے ہیں سِرِّ الٰہی کچھ کہتے ہیں خدا ہے عشق(۳۷)

کیا کہیے آہ عشق میں خوبیِ نصیب کی دلدار اپنا تھا سو دل آزار ہوگیا(۳۸)

کیا حقیقت کہوں کہ کیا ہے عشق حق شناسوں کا ہاں خدا ہے عشق(۳۹)

میر کے ہاں عشق کے دو دائرے ہیں۔ ایک بڑا دائرہ اور دوسرا اس دائرہ کے اندر ایک چھوٹا دائرہ۔ بڑا دائرہ وہ ہے جو کُل کو محیط ہے۔ یہاں عشق ساری کائنات پر حاوی ہے۔ عشق ہی روح کائنات ہے۔(۴۰)

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

عشق سے جا نہیں کوئی خالی
دل سے لے عرش تک بھرا ہے عشق(۴۱)

بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

> زندگی تلاش عشق ہے اور دل عشق کا مقام خاص ہے۔ خود آگاہی یہیں سے حاصل ہوتی ہے۔ اس خود آگاہی سے بندہ خود معبود ہو کر اپنی علویت کا اظہار کرتا ہے۔ اس کی خودی گم ہو جاتی ہے اور فرد و کائنات ایک وحدت بن جاتے ہیں۔ انسان کی تخلیق کا باعث یہ ہے کہ وہ زندگی کے اس بھید سے واقف ہو۔(۴۲)

اپنی ہی سیر کرنے ہم جلوہ گر ہوئے تھے
اس رمز کو و لیکن معدود جانتے ہیں(۴۳)

عاشق و معشوق

سعدی کی شاعری میں مجازی عشق نمایاں تو دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اس میں بھی عشقِ حقیقی کی جھلک نمایاں ہے۔

> مگر اس زمینی عشق کا مقام بہت اونچا ہے وہ عام سا معشوق نہیں ہوتا۔ اس کی غزلیات میں جسمانی و روحانی حسن کا اشارہ مل رہا ہوتا ہے۔(۴۴)

یہ معشوق خاموش ہے مگر زندہ دل بھی ہے اور اس سے آرام و سکون ملتا ہے اور سعدی اس کو دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر اہم بتاتا ہے سعدی ایسا عاشق ہے جو اپنے عشق اور معشوق کی کشش کو لازم و ملزوم سمجھتے ہیں۔ معشوق کی کشش کے تقاضے پر کوئی عاشق بنتا۔ عاشق معشوق کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے، جو معشوق کر بھی جائے، روٹھ جائے، غصہ کرے، مہربانی کرے، التفات کرے، بے رخی کرے، عاشق کو اس کی طرف میلان رکھنا فرض ہے۔

> سعدی کی غزل میں عاشق و معشوق کا ایسا رشتہ ہے جس میں عاشق، معشوق کے سامنے ایثار کرتا ہے، اس کو عجز کا احساس ہے، اس لیے وہ لفظ ''خاک'' کا استعمال کرتے ہیں، سعدی کا شرط و پابندی کے بغیر عشق ہے جس میں عاشق کو ہر وقت معشوق کی عزت کرنی چاہیے اور معشوق کا عاشق کے سامنے کوئی فرض نہیں بنتا۔(۴۵)

عاشق کا رویہ ایثار کا ہوتا ہے، عاشق معشوق کی ڈانٹ، پھٹکار، انکار و قبول کے سامنے وہ یعنی عاشق سعدی، سر جھکاتے ہیں:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

گر او نظر نکند سعدیا بہ چشم نواخت   بہ دست سعی تو باد است تا پیمایی(۴۶)

بیا تا جان شیرین در تو ریزم   بہ بخل و دوستی با ہم نباشند(۴۷)

من نہ مخیرم کہ چشم از تو بہ خویشتن کنم   گر تو نظر بہ ما کنی، ور نکنی، مخیری(۴۸)

سعدی کے ہاں معشوق کو اپنے مقام وحیثیت کی پہچان ہے اور اس کو ایسا اعتماد نفس موجود ہے جو اپنے آپ کو عاشق سے بے نیاز جانتا ہے۔ایسے ہی والا معشوق ہے جو عاشق کو عروج تک ہم کنار کرسکتا ہے۔ یہ بات کہ معشوق کو عاشق کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی عاشق کو اور تڑپاتی ہے اور اس کے سوزِ دروں کو مزید بڑھاتی ہے۔ سعدی کو ایسی شخصیت والا معشوق پسند ہے، کیوں کہ ایسے معشوق سے پیدا شدہ عشق کی شان ہوتی ہے:

من چہ در پای تو ریزم کہ خورای تو بود
سر نہ چیزی است کہ شایستہ پای تو بود(۴۹)

میر کے تصورِ عشق میں مجازی عشق کا بیان عاشق کے نت نئے اطوار اور انداز سے روشناس کراتا ہے۔ میر کی نظر میں عاشق عشق کی معراج کو تب ہی پہنچے گا جب وہ سراپا ایثار ہوگا۔ان کے نزدیک عاشق معشوق کے جور وستم سہتا رہے تو معشوق کی نگاہ میں معتبر ٹھہرے لیکن کبھی وہ عاشق کے شکوے بھی سنایا کرتے ہیں۔

بہت سعی کریے تو مر رہیے میر
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے(۵۰)

بقول شمس الرحمان فاروقی:

> میر کے عاشق کی انفرادیت دراصل یہ ہے کہ وہ روایتی عاشق کی تمام صفات رکھتا ہے، لیکن ہم اس سے ایک انسان کی طرح ملتے ہیں۔(۵۱)

میں اور تُو ہیں دونوں مجبور طور اپنے   پیشہ ترا جفا ہے شیوہ مرا وفا ہے(۵۲)

میر مرنا پڑے ہے خوباں پر   عشق مت کر بد بلا ہے عشق(۵۳)

اور کہیں عاشق اپنے عشق کی عظمت کے دعویدار بھی ہیں کہ ان جیسا عاشق کون ہوسکتا ہے۔روایتی عاشق کے کردار بھی میر کے عاشق کے سامنے کم مرتبہ ٹھہرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہم کشتگانِ عشق ہیں ابرو و چشمِ یار سر سے ہمارے تیغ کا سایا نہ جائے گا(۵۴)

گو بے ستوں کو ٹال دے آگے سے کوہ کن سنگِ گرانِ عشق اٹھایا نہ جائے گا(۵۵)

حقیقت یہ ہے کہ میر کا عاشق اور اس کی پوری شخصیت بھی ان کی زبان ہی کی طرح بے تکلف، چونچال، طباع، پیچیدہ اور متنوع ہے۔(۵۶)

یعنی میر کا عاشق انسانی جذبات و کیفیات کا مرقع ہے۔ اسے معشوق کی چاہ بھی ہے اور اپنی شبِ ہجر کا شکوہ بھی! وہ اپنی وفاداری اور ایثار کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور معشوق کے تیرِ نظر سے زخمی ہونے کی شکایت بھی۔ حال کہہ کر معشوق کا منتظر رہتا ہے کہ کب وہ نظرِ کرم کر دے۔

چپ ہیں کچھ جو نہیں کہتے ہم کارِ عشق کے حیراں ہیں
سوچو حال ہمارا ٹک تو بات کی تہ کو پاؤ تم(۵۷)

حسی اور تعلقی شکوہ و شکایت، امید، مایوسی، مسرت و غم و پرستش

سعدی کا یہ خیال ہے کہ عشق کے بیان میں زبان کمزور اور بے بس ہے۔ وہ عشق سے ہی اس کی تشریح کے لیے مدد لیتا ہے پھر بھی ایسا تصور کرتا ہے کہ ان کہی باتیں رہ جاتی ہیں اور عشق کی ایسی کیفیات ہیں جن کا وصف پورے طور پر نہیں کیا جا سکتا اور اس کو وہ سمجھ سکتا ہے جو عشق کا مبتلا ہوا ہو گا:

حدیث عشق بہ طومار در نمی گنجد
بیان دوست بہ گفتار در نمی گنجد(۵۸)

سعدی کی عاشقانہ غزل کا موضوع انسانی معشوق ہے۔ سعدی کی غزل اسی سے بنتی ہے اور اسی سے عروج تک پہنچتی ہے۔ وہ عشق کو ایسی آگ سمجھتے ہیں جو دنیا کو جلا دیتی ہے اور سعدی کی پرسوز آہ سے ان کی شاعری سے دھواں نکلتا ہے۔ سعدی پرانے طرز کی عاشقی پر ہے جس میں معشوق جفا کار ہے اور اپنی اداؤں اور نیم کش نگاہوں سے عاشق کو مار ڈالتا ہے پھر بھی سعدی اس کا دامن نہیں چھوڑتے ہیں اور وہ ہر دفعہ عشق میں نئی کرن دیکھتے ہیں۔ عشق اور معشوق کا سیدھا رابطہ ہے معشوق کے سلوک سے عشق کی کیفیت بنتی ہے، وہ معشوق سے شکوہ کرتے ہیں، ان کا دم گھٹ جاتا ہے، وقتی طور پر وہ منھ پھیر لیتے ہیں مگر پھر سے معشوق کی طرف رخ کر کے واپس آتے ہیں:

بقول میر:

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

صبر تھا ایک مونسِ ہجراں
سو وہ مدت سے اب نہیں آتا(۵۹)

سعدی کہتے ہیں:

دل دردمند ما را کہ اسیر تست یارا   بہ وصال مرہمی نہ چو بہ انتظار خستی(۶۰)

شبی نرفت کہ سعدی بہ داغ عشق نگفت   دگر شب آمد ولی بی تو روز خواہد بود(۶۱)

سعدی کی غزلیات میں عاشق کی ایک اہم خصوصیت بے چینی، سوز، تڑپ بکثرت ملتی ہے۔ گویا عشق کی خصوصیت عاشق کو تڑپانا ہے۔ عاشق سب حالات میں جوشیلے پن میں رہتا ہے۔ بے شک سعدی ایک سچا عاشق ہے اور اس سچائی کا اس کے شاعری میں موجود سوز سے پتا چل جاتا ہے۔ سعدی کو معلوم ہے کہ عشق کے راستے میں مشکلات کا سامنا ضرور ہوگا پھر بھی یہ راستہ طے کرنا ہوگا۔ مشکلات کے باوجود سعدی کے ہاں سکون اور نشاطیہ کیفیت ملتی ہے، لگتا ہے وہ ڈوبنے کے باوجود ہوشیار بھی رہتا ہے اس کی وجہ اس کی اعتدال پسندی ہے اور وہ معشوق کو اذیت دیتے ہیں نہ اپنے آپ کو۔ یہاں تک کہ کبھی ان کی بیدار مغزی ان کے فن میں ظاہر ہوتی ہے۔ بقول تقی پورنامداریان:

> ایسا لگتا ہے کہ سعدی عشق کی آگ میں جلتا نہیں ہے کیوں کہ وہ وزن اور قافیہ بندی کا خوب خیال رکھ کے غزل گوئی کی ہے۔(۶۲)

بند برپای توقف چہ کند، گر نکند   شرط عشق است بلا دیدن و پای افشردن(۶۳)

ای ساربان آہستہ ران کارام جانم می رود   وان دل کہ با خود داشتم با دلستانم می رود(۶۴)

بر من مگیر اگر شدم آشفتہ دل ز عشق   مانند این، بسی ز قضا و قدر فتاد(۶۵)

سعدی عاشقی میں انتظار پسند کرتے ہیں، ان کے معشوق تک رسائی مشکل ہے، اگر ایسا نہ ہوتو پھر اس عشق کا لطف نہیں ہوگا۔ وہ وصال کے خواہشمند ہیں، وہ معشوق کے ساتھ ہمکنار ہوجانے کے لیے تڑپتے ہیں، مگر وہ وصال کے بارے میں بات کرنے کی بجائے مشکلات و رکاوٹوں کو برداشت کرنے اور حوصلہ رکھنے کی بات کرتے ہیں۔ ان کے ہاں وصال ایک روحانی کیفیت رکھتا ہے جو نفسانی خواہشات سے دور ہے اور ایک پاک سرشت دل سے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

نکلتا ہے۔ وہ اکثر یہ خواہش کرتے کہ معشوق سے ملیں تو اپنی تمام کیفیات کا بیان کریں۔ وہ کہیں کہیں یہ اشارہ کرتے ہیں کہ معشوق کی بے وفائی وصال کی رکاوٹ بنتی ہے اور یہ رکاوٹ سعدی کو پسند بھی ہے۔ سعدی ایک عاشق کی حیثیت سے معشوق سے کچھ نہیں چاہتے حتیٰ کہ وصال کی تمنا بھی نہیں کرتے، ان کے لیے عاشقی کرنا مقصد حیات ہے:

گرچہ دانم کہ بہ وصلت نرسم باز نگردم تا در این راہ بمیرم کہ طلبکار تو باشم(۶۶)

آتشی بر سرم از داغ جدایی می رفت و آبی از دیدہ ہمی شد کہ زمین می سفتم(۶۷)

دل دردمند سعدی ز محبت تو خون شد نہ بہ وصل می رسانی نہ بہ قتل می رہانی(۶۸)

بگذار تا بگریم چون ابر در بہاران کز سنگ گریہ خیزد روز وداع یاران(۶۹)

مگر جب طویل ہجر کے بعد وصال میسر ہوتا ہے۔تو وہ جوش سے تمام غم و دکھ بھول جاتے ہیں۔

چو تو آمدی، مرا بس کہ حدیث خویش گفتم
چو تو ایستادہ باشی، ادب آنکہ بیفتم(۷۰)

سعدی، عاشق و معشوق کے درمیاں کسی حجاب کے قائل نہیں۔ وہ ایسے عاشق ہیں جو عاشقی کے تمام منازل سے گزر کر دنیاوی اور نفسانی خواہشات سے چھٹکارا حاصل کر چکے ہیں، سعدی کی شاعری میں جہاں عشق ہے، وہاں سوز ہے، تسلیم، خواہش اور درگذر کرنا بھی ہے۔ ایسا کہیے کہ وہ اپنے اور عشق کے درمیان کوئی حائل نہیں دیکھتے۔

سعدی اپنی غزلیات میں بلاواسطہ معشوق سے رابطہ برقرار رکھتا ہے اور سالک و پیر کا سہارا نہیں لیتا۔(۷۱)

پردہ چہ باشد میان عاشق و معشوق؟
سد سکندر نہ مانعست و نہ حائل(۷۲)

عاشق کو معشوق سے اپنے لیے کچھ نہیں چاہیے کیوں کہ معشوق سے زیادہ کوئی قابل قدر چیز ہوتی نہیں ہے اور جو کچھ ہے معشوق کے لیے ہے۔ سچا عاشق معشوق سے لگاؤ کی شدت کی وجہ سے اپنی موجودگی اور وجود پر متوجہ نہیں رہتا، عاشق عشق کی سیر و سلوک میں وہاں پہنچتا ہے کہ معشوق کے وجود میں ڈوبا رہتا ہے، اس میں ہی ضم

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہوجاتا ہے۔یعنی تومن شدی من توشدی کیفیت یا یک جان دوقالب۔ ایسے میں صرف معشوق کا وجود باقی رہتا ہےاوریہی ہے سعدی کا حال:

زینگونہ صد ہزار کس از پیر و از جوان
مست از شراب عشق، چو من بی خبر فتاد(۷۳)

سعدی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ عاشق کواپنے مقصدتک پہنچنے کے لیے مدعیوں اور ناصحوں کے سامنے کھڑا ہونا چاہیے اور اپنے راستے پر ڈٹے رہنا چاہیے۔اس راہ کو طے کرنے کے لیے عاشق کو دوسروں کی ڈانٹ اور مذمت پر کوئی توجہ نہیں دینا چاہیے اور اپنے راستے سے ہٹنے کے بجائے پکاارادہ کرکے اپناسفر جاری رکھنا چاہیے۔

برو ای فقیہ دانا بہ خدای بخش مارا تو و زہد و پارسایی من و عاشقی و مستی(۷۴)

مشنو، ای دوست، کہ غیر از تو مرا یاری ہست یا شب و روز بجز فکر توام کاری ہست(۷۵)

میر کی غزلیات میں عاشق کا سراپاانکسار ہونا واضح ہے۔وہ عاشق کی شخصیت کو داخلی اوردلی کیفیات کے ساتھ بیان کرتے ہیں تو عاشق اپنے احوال کے ساتھ ساتھ اطراف کی زندگی کا بھی ترجمان معلوم ہوتاہے۔میر کی غزلوں کاعاشق آرام طلب بھی ہے اورمستعد بھی۔ وہ معشوق سے طنز و شکایت بھی کرتے ہیں۔قاصد اور پیغام رساں کے ساتھ ساتھ دل کے معاملات کو بھی بخوبی جانتے ہیں اوراس کااظہار بھی نہایت خوبی سے کرتے ہیں۔

لے کر جواب خط کا نہ قاصد پھر کبھو کیا جانے سرنوشت میں کیا ہے لکھا ہوا(۷۶)

میں تو تھا صید زبوں صید گرِ عشق کے پیچ آپ کوخاک میں بھی خوب ملایا نہ گیا(۷۷)

نے صبر ہے نہ ہوش ہے نے عقل ہے نہ دیں آتاہے اس کے پاس سے عاشق لُٹا ہوا(۷۸)

وصل و ہجراں سی جو دو منزل ہیں راہِ عشق کی دل غریب ان میں خدا جانے کہاں مارا گیا(۷۹)

حوصلہ شرطِ عشق ہے ورنہ بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا(۸۰)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

دور بیٹھا غبارِ میر اس سے عشق بن یہ ادب نہیں آتا(۸۱)

عمرِ عزیز ساری دل ہی کے غم میں گزری بیمارِ عاشقی یہ کس دن بھلا رہے گا(۸۲)

رسمِ قلمروِ عشق مت پوچھ کچھ کہ ناحق ایکوں کی کھال کھینچی ایکوں کو دار کھینچا(۸۳)

عشق ومعنویت

سعدی اپنی غزلیات اور اپنے عشق میں بھی انسانیت کے قائل ہیں۔لگتا ہے جو اخلاقیات ان کی بوستان میں بسی ہے ان کی غزلیات میں بھی اپنی طور پر رچ گئی ہیں۔کیوں کہ سعدی کی شخصیت اور سرشت میں ادب رچا بسا ہے۔اسی وجہ سے وہ اپنے عشق میں وفاداری اور اخلاقیات کا درس دیتے ہیں۔ زرین کوب سعدی کو ''استاد رموز عاشقی'' کا خطاب دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

> سعدی کے یہاں اخلاقیات انسان کو انسانیت کے کمال تک پہنچانے میں اہم ذریعہ ہے اور یہی اخلاقیات انسان کو محبت کے رشتے سے سارے کائنات سے جوڑ دیتی ہیں۔یہی اخلاقی مقصد سعدی کے عشق میں بھی ملتا ہے۔ ان کا عشق حقیقت میں اخلاق وتقوی ہی ہے۔(۸۴)

سعدی کا یہ خیال ہے کہ عشق مجازی ہو یا حقیقی انسان کو اپنے سے باہر نکال کر آگے لے جاتا ہےاور روح و جان میں توازن پیدا کرتا ہے، سعدی عشق کو ایک فن سمجھتے ہیں اور اس کے رموز سے آشنا اور اخلاقیات کے پابند بھی ہیں۔اس کے خیال میں اخلاقیات انسان کو کمال تک پہنچاتی ہیں اور اسی روسے وہ اپنی عاشقی میں بھی اخلاق وایمان پر پابند ہیں اور خودغرضی سے بالکل دور رہتے ہیں:

عوام عیب کنندم کہ عاشقی ہمہ عمر
کدام عیب کہ سعدی خود این ہنر دارد(۸۵)

دراصل ان کے عشق میں ''میں'' ختم ہوکر ''ہم'' ہوجاتا ہے۔اس لیے وہ عشق میں خود پسندی میں مبتلانہیں ہوتے اور توقعات بھی نہیں رکھتے اور اپنے اوپر قابو پاتے ہیں اور اپنااختیار ہاتھ سے کھونے نہیں دیتے۔ جتنا معشوق صاحبِ حسن ہواتنا ہی سعدی اپنے عشق میں وفادار ثابت ہوتے ہیں۔ وہ عشق کا شوق رکھتے ہیں، تڑپتے ہیں مگر جیسا ان سے پہلے غزل گوؤں کی شاعری میں معشوق کی تذلیل کرنے کے لیے بدزبانی ملتی ہے،سعدی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بدزبانی نہیں کرتے ہیں:

دل ہوشمند باید کہ بہ دلبری سپاری
کہ چو قبلہ ایت باشد بہ از آن کہ خود پرستی(۸۶)

سعدی اعتدال پسند ہے، شروع سے آخر تک وہ اپنے عشق میں ثبات رکھتا ہے۔

دل بہ سختی بنہادم پس از آن دل بہ تو دادم
ہر کہ از دوست تحمل نکند، عہد نپاید(۸۷)

سعدی کے نزدیک، وہ لوگ عشق کے میدان میں قدم جما رکھ سکتے ہیں جن کے ہاں مشکلات کا سامنا کرنے کی قوت موجود ہو اور وہ عشق کے راستے میں اپنا خون حلال کر سکتے ہوں۔ ان کے خیال میں عشق کے پُرخطر راستے میں قدم رکھنے کے لیے جان کو ہتھیلی پر رکھنا ضروری ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر وہ جان سے گزرنے کو عاشق کا فرض سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ جان عاشق و معشوق کے درمیاں حائل ہے اور عاشق کی جان تن میں قید عشق کے اعلیٰ مقام کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ عاشق کو ہمیشہ اپنی جان سپرد کرنے اور فنافی العشق ہونے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

گر تیغ برکشد کہ محبان ہمی زنم اول کسی کہ لاف محبت زند، منم(۸۸)

گویند: پای دار، اگرت سر دریغ نیست گو سر قبول کن کہ بپایش در افکنم(۸۹)

ہر عاشق عشق کی ایک خاص کیفیت سے وابستہ ہوتا ہے اور یہ کیفیت عاشق کے ظرف، اخلاقیات اور عادات سے متعلق ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ہر عاشق میں عشق کی کیفیات اور جلوہ افکنی مختلف طریقوں سے نمایاں ہوتی ہیں۔ سعدی کے ہاں عشق کی قدر اتنی شدت سے پائی جاتی ہے کہ جیسے دنیا کا سارا حسن اور خوبیاں ان کے معشوق کے ہاں موجود ہیں اور عاشق کو معشوق کے بغیر کسی اور طرف کا رخ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ گویا یہ عشق، عاشق کے سارے تقاضوں پر پورا اترتا ہے اور یہی عشق، انسان کی روح کو کمال سے ہم کنار کرتا ہے اور زندگی کی ساری کمیاں دور کرتا ہے:

این بوی روح پرور از آن خوی دلبر است و این آب زندگانی از آن جوی کوثر است(۹۰)

یار آن بود کہ صبر کند بر جفای یار ترک رضای خویش کند در رضای یار(۹۱)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

هر که را با ماه رويي سرخوش است دولتی دارد که پایا نیش نیست[۹۲]

چنان به روی تو آشفته ام به بوی تومست که نیستم خبر از هر که در دو عالم است[۹۳]

چو تو آمدی مرا بس که حدیث خویش گفتم چو تو ایستاده باشی ادب آن که من بیفتم[۹۴]

خوشتر از دوران عشق ایام نیست با مداد عاشقان را شام نیست[۹۵]

از هرچه می رود سخن دوست خوشتر است پیغام آشنا نفس روح پرور است[۹۶]

سعدی معشوق کو عزیز رکھتے ہیں اس لیے اس کی سماجی عزت وتکریم کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ مثلاً وہ اپنی عاشقی کا راز چھپاتے ہیں تاکہ کہیں معشوق کی رسوائی کا سبب نہ بنیں۔ وہ اچھی خیال پردازی سے اپنی غیرت اور معشوق کی بے رخی کو جوڑ دیتے ہیں کہ محبوب ان کا دل توڑ دیں تو اس بات کی پریشانی ہے کہ ان کہے راز معشوق کے بارے میں اس دل سے باہر آئے اور غیر کو پتا چلے:

مشکن دلم که حقه راز نهان تست
ترسم که راز در کف نا محرم اوفتد[۹۷]

میر کی کیفیت بھی کم وبیش سعدی جیسی ہے۔عشق کے معنوی حسن سے میر بخوبی آگاہ ہیں۔ان کے کلام میں عشق کا بیان کہی کے ساتھ ان کہی لیے ہوئے ہے۔وہ معشوق کی اداؤں، جوروستم اور اطوار کو تمکنت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ وہ معشوق اور رقیب کے کرداروں میں اور عاشق کے بیان میں اپنے دھیمے اور سلگتے ہوئے انداز سے کیفیت کا اظہار کرتے ہیں۔میر اپنے عشق کی دلیل کے لیے روایتی کرداروں اور واقعات سے بھی شعر کی فضا کو معمور رکھتے ہیں اور اپنے تصورات کی دنیا میں محو محسوس ہوتے ہیں۔

اس کا خیال چشم سے شب خواب لے گیا قسمے کہ عشق جی سے مرے تاب لے گیا
نے دل رہا بجا ہے نہ صبر و حواس و ہوش آیا جو سیلِ عشق سب اسباب لے گیا[۹۸]

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

عشق کا جذب ہوا باعثِ سودا ورنہ یوسفِ مصر زلیخا کا خریدار نہ تھا(۹۹)

آنکھوں میں جی مرا ہے اِدھر یار دیکھنا عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا(۱۰۰)

دل عشق کا ہمیشہ حریفِ نبرد تھا اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں آگے درد تھا
عاشق ہیں ہم تو میر کے بھی ضبطِ عشق کے دل جل گیا تھا اور نفس لب پہ سرد تھا(۱۰۱)

آہ پر غیر سے تا چند کہوں جی کی بات عشق کا راز تو کہتے نہیں محرم سے بھی(۱۰۲)

عشق وحسن

سعدی جمال پسند ہے اور خوب صورت چہرے کے سامنے بے چین ہوتا ہے کیوں کہ خوب صورت عورت شاعری کی طرح نزاکت اور لطافت رکھتی ہے۔ سعدی حسن کو سادہ وصاف اسلوب میں بیان کرتے ہیں اور حسن کے اتنے قائل ہیں جس کے وصف کے لیے تشبیہ واستعارے کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتے بلکہ وہ صرف مضمون بندی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی شاعری سوچے بغیر عوام کی گرفت میں آتی ہے۔ وہ حسن کے دلدادہ ہیں اور حسن کو رحمت کے برابر سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک خالق خوب صورت ہے اس لیے یہ دنیا اور انسان اس کی خوب صورت تخلیق ہیں۔

> سعدی کی غزل میں اکثر جگہ معشوق کا حسن و جمال جو انسانی روپ اور متاثر کرنے والا دکھائی دیتا ہے، اصل میں وہ حسن مطلق، عالم مثال، آرمان اور نامتناہی سے وابستہ ہے، جہاں سعدی انسانی سانچے میں لاجواب حسن کا اشارہ کرتے ہیں، ساتھ ساتھ وہ رشتے کی مطلق نزاکت، ناظر و منظور کے بیچ میں دڑار کے بغیر پاکی، خدا کے جمال جیسے کی طرف تاکید کرتے ہیں۔(۱۰۳)

وہ کائنات کو خوب صورت دیکھتے ہیں اور ہر قسم کا حسن جو انسانی روپ کے سانچے میں ڈھالا ہوا اس سے وہ عشق کرتے ہیں۔ سعدی اتنے حسن پرست شاعر ہیں کہ ان کا عشق حسن سے شروع ہوتا ہے:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

به قیاس درنگنجی و به وصف درنیائی متحیرم در اوصاف جمال و روی و زیبت(۱۰۴)

تو از هر که باز آیی بدین خوبی و زیبایی دری باشد که از رحمت به روی خلق بگشایی(۱۰۵)

این ظرافت که تو داری همه دل ها بفریبی وین لطافت که تو داری همه غم ها بزداید(۱۰۶)

دو چشم مست میگونش ببرد آرام هشیاران دوخواب آلوده بربودند عقل از دست بیداران(۱۰۷)

آیینه ای طلب کن تا روی خو د ببینی وز حسن خو د بماند انگشت در دہانت(۱۰۸)

دوستان عیب کنندم که چرا دل به تو بندم باید اول به تو گفتن که چنین خوب چرایی(۱۰۹)

دیدم همه دلبران آفاق چون تو به دلاوری ندیدم(۱۱۰)

بسیار می گفتم که دل با کس نبندم ولی دیدار خوبان اختیار از دست دانا می برد(۱۱۱)

میر کا کلام ہندوستانی جمالیات کی خوبیوں سے مزین ہے۔وہ حسن ظاہر اور باطن کا ادراک رکھتے ہیں۔ان کے یہاں حسن کے مظاہر انسانی رویوں اور کائنات کے مظاہر سے جڑے ہوئے ہیں۔ وہ حسن کے تحیر سے گنگ ہوجاتے ہیں۔ان کے اشعار میں کیفیات اور تجربات کی ایک دنیا آباد ہے۔جب وہ کہتے ہیں

جس کا خوباں خیال لیتے ہیں
دل کلیجہ نکال لیتے ہیں(۱۱۲)

میر کا احساسِ حسن ہمیں معشوقِ مجازی کے ساتھ ساتھ معشوقِ حقیقی کے تصور سے بھی روشناس کرواتا ہے۔ محبوب خالقِ کائنات ہو یا کوئی انسان وہ حسن کا سرچشمہ ہے،اس کی جھلک انھیں کائنات میں نظر آتی ہے۔خورشید ہو،مہ ہوگل ہو یا کلی،آئینہ ہو یا شفاف جھیل کا پانی میر ہمیں حسن کے احساس سے متعارف کرواتے ہیں۔

دیکھ آرسی کو یار ہوا محو ناز کا خانہ خراب ہو جیو آئینہ ساز کا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اس لطف سے نہ غنچۂ نرگس کبھو کھلا کھلنا تو دیکھ اس مژۂ نیم باز کا
مارا نہ اپنے ہاتھ سے مجھ کو ہزار حیف کشتہ ہوں یار میں تو ترے امتیاز کا (۱۱۳)

حسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش رفتہ رفتہ دلبروں کے کان میں بالے پڑے (۱۱۴)

سرگرمِ جلوہ اس کو دیکھے کوئی سو جانے طرزِ خرام کیا ہے حسن و جمال کیا ہے (۱۱۵)

دیا دکھائی مجھے تو اُسی کا جلوہ میرؔ پڑی جہان میں جاکر نظر جہاں میری (۱۱۶)

بقول شکیل الرحمان:

یہ صرف میر کے خوب صورت جمالیاتی تجربے نہیں ہیں بلکہ اردو شاعری کے اہم نمائندہ جمالیاتی تجربے بھی ہیں۔ ان سے میر کی شاعری کے مزاج، رجحان، رویے اور میلان کی پہچان ہوتی ہے۔ ان اشعار میں اتر جایئے تو "شرِ نگار رَس" لیے اردو کے اس ممتاز شاعر کے کلام کی روح تک رسائی ہوجائے۔ بلاشبہ یہ تجربے میر کی شناخت بن گئے ہیں۔ فن کار کے مزاج و شعور اور اس کی پوری شخصیت کا آہنگ دراصل ان ہی اشعار سے ملتا ہے۔ میر کے کلام کے بنیادی جمالیاتی رجحان نے انھیں خلق کیا ہے۔ (۱۱۷)

گل چیں سمجھ کے چنیو کہ گلشن میں میر کے
لختِ جگر پڑے ہیں نہیں برگ ہائے گل (۱۱۸)

عشق و آفاقیت اور کائنات

موسم اور اس کی تبدیلی سعدی کی طبیعت پر بہت اثرانداز ہوتی ہے۔ ان کے جذبات کو ابھارتی ہے۔ ان کو بے چین کرتی ہے۔ سعدی شیراز کے خوشگوار موسم اور پُررونق فضا میں سانس لیتے ہیں۔ وہ مظاہرِ فطرت کو اپنے اندر سمو لیتے ہیں۔ شام کو جب چاند آسمان پر نظر آتا ہے؛ سویرے جب ہلکی سی ہوا چلتی ہے؛ ندیوں کی گنگناہٹ، بلبلوں کی خوش آہنگ آواز، خصوصاً بہاروں کے دن، جب موسمِ بہار میں کائنات کے گوشے گوشے میں نئی زندگی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

آتی ہے، یہ سب مناظر سعدی کے مزاج کو بھڑکا دیتے ہیں اور وہ ان میں حسن کو محسوس کرتے ہوئے ان کو خدا کے حسن اور لطف کا مظہر سمجھتے ہیں۔ حمید یان کے بقول کائنات ہی سعدی کی شاعری میں لوازمات پیش کرتی ہے:

> سعدی کی داخلی کیفیت، آفاق کے حسن و مشاہدات کے زیرِ اثر پیدا ہوتی ہے۔ سعدی غزل گوئی میں باہر کے ماحول میں خدا کے مخلوقات کو دیکھنے کے سوا کچھ نہیں کرتے اور ان کی غزلیات میں آفاق کے بغیر درونیات کا کوئی معنی نہیں رہتا۔(۱۱۹)

گہ نعرہ زدی بلبل، گہ جامہ دریدی گل
با یاد تو افتادم، از یاد برفت آنہا(۱۲۰)

سعدی کی حساس روح کائنات کا راز سمجھتی ہے۔ وہ اپنے عشق کی کیفیت کو کائنات کے ہر عنصر جیسے بادل، پانی، باغ، پودے، درخت، کلی، پھول اور سرو سے جوڑ دیتے ہیں اور ان کو اپنی کیفیت کے ساتھ لیے چلے جاتے ہیں اور جیسے کہ کائنات میں زندگی رواں دواں ہے ویسے ہی سعدی کے ہاں عشق میں زندگی و گرمی برقرار ہے اور کبھی کائنات کے ہر ایک ذرے کو معشوق کے مقام کے برابر بیان کرتے ہیں:

مگر نسیم سحر بوی زلف یارم من است   کہ راحت دل رنجور بی قرار من است(۱۲۱)

بوی بہار می دمدم یا نسیم صبح   باد بہشت می گذرد یا پیام اوست(۱۲۲)

ای باد بامدادی خوش می روی بہ شادی   پیوند روح کردی پیغام دوست دادی(۱۲۳)

بوی بہشت می گذرد یا نسیم دوست   یا کاروان صبح کہ گیتی منور است(۱۲۴)

سعدی کے سامنے کائنات کے وہ عناصر جو حسن سے لبریز ہیں وہ معشوق کی تصویر ہیں اور معشوق کا حسن یاد دلاتے ہیں اور وہ انھیں معشوق کا حسن جانتے ہیں:

گل نسبتی ندارد با رو دل فریبت   تو در میان خوبان چون گل میان خاری(۱۲۵)

تا خار غم عشقت آویختہ در دامن   کوتہ نظری باشد رفتن بہ گلستان ہا(۱۲۶)

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

آب از گل رخسارہ او عکس پذیرفت   و آتش بہ سر غنچہ گلنار برآمد(۱۲۷)

سعدی کی غزلیات میں گلشن، باغ وگل کے ساتھ ساتھ "صحرا" کا ذکر خاص طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔

سعدی صحرا کو بہترین فریم معشوق سے ملنے کے لیے جانتے ہیں۔ سعدی کی زبان میں صحرا کو جانا ایسی نعمت اور لطف ہے جو ہر کسی کے نصیب میں لکھا نہیں ہوتا۔(۱۲۸)

میر تقی میر کے کلام میں موسم اور اس کی تبدیلی نشاطیہ بھی ہے اور حزنیہ بھی۔ کہیں وہ بہار کی آمد کو اپنے جنوں سے جوڑتے ہیں۔ بقول سیّد عبداللہ:

شعرا (بہ حیثیت عاشق) بہار کے موسم کو "خونیں موسم" کہتے ہیں۔(۱۲۹)

بہار کی آمد عاشقوں کے لیے بے قراری اور بے تابی کا سامان لیے ہوئے ہوتی ہے۔ دل کی بے تابیاں نئی رت، نئے پھولوں کی شگفتگی، بلبل کی صدا عالم کو رنگین اور عاشق کو غم گین کر دیتی ہے۔ جنوں و وحشت کے اس عالم کو میر نے خوب بیان کیا ہے۔

کچھ کرو فکر مجھ دوانے کی   دھوم ہے پھر بہار آنے کی(۱۳۰)

جی رشک سے گئے ہے اُدھر جو صبا چلی   کیا کہیے آج صبح عجب کچھ ہوا چلی(۱۳۱)

کہیں میر کے یہاں بہار، برسات، ابر، مینہ، گھٹا، خورشید، مہ، بادِ بہاری کا ذکر ان کے خارجی اور داخلی میلانِ طبع کا غماز ہے۔ وہ اپنی زندگی کے نشیب وفراز کا احوال کائنات کے عناصر کی تبدیلیوں سے جوڑ کر بیان کرتے ہیں۔ ہندوستان میں موسمِ برسات موسمِ بہار کا ساں پیش کرتا ہے۔ برسات کی نیرنگیوں اور امس، حبس، مینہ اور موسلادھار بارش کو اپنی دلی کیفیات سے مستعار کر کے میر قدرت کی صناعی کے ساتھ ساتھ محبوب کی اداؤں کے گن گاتے نظر آتے ہیں۔ کہیں وہ بلبلوں کی صدا کو خوشی کے استعارے سے جوڑ کر اپنی مسرت کا اعلان کرتے ہیں۔ اس مسرت میں فطرت ومناظر کی محاکاتی تصویر کشی ان کے تصوراتی جہان سے متعارف کرواتی ہے۔

بہار آئی ہے غنچے گل کے نکلے ہیں گلابی سے   نہالِ سبز جھومے ہیں گلستاں میں شرابی سے(۱۳۲)

حیرتِ روئے گل سے مرغِ چمن   چپ ہے یوں بے زبان ہے گویا(۱۳۳)

یار ہے میر کا مگر گل سا   کہ سحر نالہ کش ہے بلبل سا(۱۳۴)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

گل و سرو اچھے سبھی ہیں ولے نہ نکلا چمن میں کوئی یار سا (۱۳۵)

شہرِ چمن سے کچھ کم دشتِ جنوں نہیں ہے یاں گل ہیں رستہ رستہ واں باغ دستہ دستہ (۱۳۶)

کیا منھ لگے گلوں کے شگفتہ دماغ ہے پھولا پھرے ہے مرغ چمن باغ باغ ہے (۱۳۷)

سعدی شیرازی اور میر تقی میر کے تصورِ عشق کا یہ مختصر اور اجمالی جائزہ اس امر پر دال ہے کہ عشق کی معنوی اور مرادی دنیا اپنے اندر بلاشبہ ایک جہانِ معنی پوشیدہ رکھتی ہے۔ اس کے رموز کا بیان سعدی اور میر نے اپنے مخصوص عہد اور اسلوب میں کیا ہے۔ دونوں ہی عشق کے مقام سے واقف ہیں۔ عشق کی بدولت انسان کی شخصیت میں داخلی وخارجی تبدیلیوں سے آگاہ ہیں۔ عشق کے مرتبے، قوت اور اسرار کے بھی شناور ہیں۔ عشق کی قوت سے زندگی کے لاینحل مسائل کو حل کرنے کا ادراک بھی رکھتے ہیں البتہ عاشق اور معشوق کے تعلق کے ضمن میں ان کے یہاں یہ فرق نمایاں ہے کہ سعدی وصل سے سرشار اور میر ہجر سے دوچار نظر آتے ہیں۔ وصل کی کیفیت اور احوال سعدی کے اشعار میں سرشاری کا پیغام لیے ہوئے ہے جب کہ میر کے یہاں وصل کی خواہش اور اس کی تڑپ نمایاں ہے۔

حواشی

(۱) علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد مکرم بن ابن منظور الافریقی المصری، ایران ۱۴۰۵ھ، ص ۲۵۱

(۲) علی رضا نقوی، دکتر، سید، ''فرہنگِ جامع''، (اسلام آباد: رایزنی فرہنگی سفارت جمهوری اسلامی ایرانی، بهار ۱۳۸۲ھ)، چاپ دوم، ش، ص ۶۷۰

(۳) *Dictionary of English Literature*، اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس پاکستان، ص ۹۴۷

(۴) سید احمد دہلوی، ''فرہنگِ آصفیہ''، جلد سوم، (دہلی: نیشنل اکادمی، دہلی، ۱۹۷۴ء)، ص ۲۷۳

(۵) ڈاکٹر سید احمد حسن، ''صوفیانہ شاعری میں عشق کا تصور''، (دہلی: ناشر مصنف، ۱۹۸۶ء)، ص ۱۲۴

(۶) ضیا موحد، ''سعدی''، (تہران: طرح نو، ۱۳۷۸ھ)، ص ۶۸

(۷) یغمائی، افسانہ، سیری در اندیشہ سعدی و حافظ، جان دارو، (تہران: سروا، ۱۳۸۲ھ)، ص ۳۹۸۔

(۸) سعدی شیرازی، ''کلیات سعدی''، براساس تصحیح محمد علی فروغی، تصحیح و مقدمہ و تعلیقات بہ کوشش بہاء الدین خرمشاہی، (تہران: انتشارات دوستان، ۱۳۸۹ھ)، چاپ ششم، ص ۳۹۸

(۹) ثروتیان، بہروز، ''تشخیص یا استعارہ عشق و عقل در شعر سعدی''، مشمولہ سعدی شناسی، جلد ہفتم، بہ کوشش کورش کمالی سردستانی، (شیراز: مرکز سعدی شناسی، ۱۳۸۳ھ)، ص ۱۰۵۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

(۱۰) سعدی شیرازی، ''کلیاتِ سعدی''، ص ۴۳۷

(۱۱) ایضاً ص ۲۴۷

(۱۲) محمد حسین، آزاد، ''آبِ حیات'' (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۷۸

(۱۳) ڈاکٹر جمیل جالبی، ''محمد تقی میر، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۴ء)، ص ۱۰۷

(۱۴) میر تقی میر، کلیاتِ میر، مرتب، کلب علی خاں فائق، جلد اول، دیوان اول، لاہور، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع دوم، جون، ۱۹۸۶ء، ص ۳۸۸

(۱۵) ایضاً، مرتب، کلب علی خاں فائق، جلد دوم، دیوان دوم، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع دوم جنوری ۱۹۹۱ء، ص ۱۶۴

(۱۶) ایضاً، جلد اوّل، دیوان اوّل، ص ۲۷۱

(۱۷) ایضاً، جلد چہارم، دیوان پنجم، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع اول، ۱۹۸۱ء، ص ۸۵

(۱۸) جمیل جالبی، محولہ بالا، ص ۱۱۴

(۱۹) ضیا موحد، ''سعدی''، مشمولہ سعدی شناسی، جلد ۷، بہ کوشش کورش کمالی سردستانی، شیراز: مرکز سعدی شناسی، ۱۳۸۳، ص ۸۸۔

(۲۰) سعدی شیرازی، کلیاتِ سعدی، محولہ بالا، ص ۴۸۸

(۲۱) رشیدی، خسرو، ''تحلیل محتوای مفہوم عشق در غزل سعدی''، مشمولہ کتاب ماہ ادبیات و فلسفہ، ش ۴۱ و ۴۲، ۱۳۷۹، ص ۲۴-۲۶، ص ۲۵۔

(۲۲) سعدی شیرازی، کلیاتِ سعدی، محولہ بالا، ص ۴۸۷

(۲۳) حمیدیان، سعید، سعدی در غزل، تہران: نشر قطرہ، ۱۳۸۳، ص ۱۹۴۔

(۲۴) انصاری لاری، محمد ابراہیم، ''عشق سعدی''، مشمولہ سعدی شناسی، دفتر ہفتم، بہ کوشش کورش کمالی سروستانی، شیراز، ۱۳۸۳، ص ۱۲۔

(۲۵) سعدی شیرازی، کلیاتِ سعدی، محولہ بالا، ص ۴۷۳

(۲۶) محسنی ہنجی، فریدہ، ''سعدی و ابعاد عشق در زندگی انسانی''، مشمولہ فصل نامہ تحقیقات تعلیمی وغنائی، زبان و ادب فارسی، بوشہر: دانشگاہ آزاد اسلامی، شمارہ ۱۲، ۱۳۹۱، ص ۱۶۹-۱۸۶، ص ۱۷۵۔

(۲۷) سعدی شیرازی، کلیاتِ سعدی، محولہ بالا، ص ۵۰۲

(۲۸) ایضاً، ص ۳۹۷

(۲۹) ایضاً، ص ۴۰۵

(۳۰) اسلامی ندوشن، محمد علی، سعدی، خاک شیراز و بوی عشق، تہران: یزدا، ۱۳۸۹، ص ۲۲۳۔

(۳۱) سعدی شیرازی، کلیاتِ سعدی، محولہ بالا، ص ۳۷۷

(۳۲) ایضاً، ص ۵۵۷

(۳۳) ایضاً، ص ۵۴۱

(۳۴) نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر، مترجم، میر کی آپ بیتی، لاہور، مجلس ترقی ادب، ص ۳۳ تا ۳۴

(۳۵) میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان اول، محولہ بالا، ص ۱۰۹

(۳۶) میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان دوم، محولہ بالا، ص ۱۶۴

(۳۷) میر تقی میر، کلیاتِ میر، مرتب، کلب علی خاں فائق، دیوان چہارم، جلد سوم، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع دوم ۱۹۹۲ء، ص ۳۰۸

(۳۸) میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان اوّل، محولہ بالا، ص ۱۲۷

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

(۳۹) میر تقی میر، کلیاتِ میر، مرتب، کلب علی خاں فائق، کلیاتِ میر، دیوان سوم، جلد سوم، محولہ بالا ص ۱۱۱

(۴۰) جمیل جالبی، ڈاکٹر، محولہ بالا ص ۱۱۳

(۴۱) محولہ بالا، دیوان سوم۔ ص ۱۱۱

(۴۲) جمیل جالبی، ڈاکٹر، محولہ بالا ص ۱۱۴

(۴۳) میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان اوّل، جلد اوّل، محولہ بالا ص ۳۱۵۔

(۴۴) زرین کوب، عبدالحسین، حدیث خوش سعدی، تہران: سخن، ۱۳۸۳ ص ۱۷۔

(۴۵) نظری، نجمہ اور کمالی، راہلہ، ''عشق از دیدگاہ سعدی و اریک فروم''، مشمولہ ''پژوہشنامہ ادب غنائی''، زاہدان: دانشگاہ سیستان و بلوچستان، شمارہ بیست و چہارم، بہار و تابستان ۱۳۹۴ ص ۲۶۷ ۔ ۲۸۲، ص ۲۷۲، ۲۷۹۔

(۴۶) سعدی شیرازی، کلیاتِ سعدی، محولہ بالا ص ۵۴۶

(۴۷) ایضاً ص ۴۳۳

(۴۸) ایضاً ص ۵۶۳

(۴۹) ایضاً ص ۴۵۳

(۵۰) میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان اول، محولہ بالا، ایضاً ص ۵۰۳

(۵۱) شمس الرحمان فاروقی، شعر شور انگیز، جلد اوّل، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، طبع سوم، ۲۰۰۶ء، ص ۱۰۴

(۵۲) میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان دوم، جلد دوم، محولہ بالا ص ۳۵۰

(۵۳) میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان سوم، جلد سوم، محولہ بالا ص ۱۱۲

(۵۴) میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان اول، محولہ بالا ص ۱۳۵

(۵۵) ایضاً ص ۱۳۶

(۵۶) شمس الرحمان فاروقی، شعر شور انگیز، جلد اوّل، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، طبع سوم، ۲۰۰۶ء، ص ۱۰۵

(۵۷) میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان چہارم، جلد سوم، محولہ بالا ص ۳۲۲

(۵۸) سعدی شیرازی، کلیاتِ سعدی، محولہ بالا ص ۴۱۸

(۵۹) میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان اوّل، جلد اوّل، محولہ بالا ص ۱۵۸

(۶۰) سعدی شیرازی، کلیاتِ سعدی، محولہ بالا ص ۵۵۳

(۶۱) ایضاً ص ۴۵۱

(۶۲) پورنامداریان، تقی، در سایہ آفتاب، تہران: سخن، ۱۳۸۸، ص ۸۷۔

(۶۳) سعدی شیرازی، کلیاتِ سعدی، محولہ بالا ص ۵۳۱

(۶۴) ایضاً ص ۴۵۶

(۶۵) ایضاً ص ۴۱۷

(۶۶) ایضاً ص ۵۰۷

(۶۷) ایضاً ص ۴۹۵

(۶۸) ایضاً ص ۵۸۸

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

(۶۹) ایضاً،ص ۵۲۶

(۷۰) ایضاً،ص ۵۲۶

(۷۱) نصرتی اور بہرامی، عبداللہ اور راضیہ، ''بررسی تطبیقی عشق در غزلیات مولانا، سعدی و حافظ''، فصلنامہ علمی۔ تخصصی دُر دری (ادبیات غنایی ،عرفانی)، سال سوم، شمارہ نہم، زمستان ۱۳۹۲، ص ۶۷ ۔ ۸۲، ص ۷۸

(۷۲) سعدی شیرازی،کلیاتِ سعدی،محولہ بالا،ص ۴۸۷

(۷۳) ایضاً،ص ۴۱۷

(۷۴) ایضاً،ص ۵۵۳

(۷۵) ایضاً،ص ۴۰۰

(۷۶) میرتقی میر،کلیاتِ میر، دیوان دوم، جلد دوم،محولہ بالا،ص ۲۸

(۷۷) میرتقی میر،کلیاتِ میر، دیوان اوّل،محولہ بالا،ص ۱۴۹

(۷۸) میرتقی میر،کلیاتِ میر، دیوان دوم،محولہ بالا،ص ۲۹

(۷۹) میرتقی میر،کلیاتِ میر، دیوان اوّل،محولہ بالا،ص ۱۵۷

(۸۰) ایضا،ص ۱۵۸

(۸۱) ایضا،ص ۱۵۹

(۸۲) ایضا،ص ۱۶۵

(۸۳) ایضا،ص ۱۶۱

(۸۴) زرین کوب، عبدالحسین، حدیث خوش سعدی، تہران: نشر سخن، ۱۳۷۹، ص ۹۱۔

(۸۵) سعدی شیرازی،کلیاتِ سعدی،محولہ بالا،ص ۴۲۱

(۸۶) ایضاً،ص ۵۵۳

(۸۷) ایضاً،ص ۴۵۹

(۸۸) ایضاً،ص ۵۱۱

(۸۹) ایضاً،ص ۵۱۱

(۹۰) ایضاً،ص ۳۸۳

(۹۱) ایضاً،ص ۴۸۶

(۹۲) ایضاً،ص ۴۰۳

(۹۳) ایضاً،ص ۳۷۴

(۹۴) ایضاً،ص ۴۹۵

(۹۵) ایضاً،ص ۴۲۵

(۹۶) ایضاً،ص ۳۸۳

(۹۷) ایضاً،ص ۴۱۷

(۹۸) ایضا،ص ۱۷۳

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

(۹۹) ایضاً،ص ۱۸۵

(۱۰۰) ایضاً،ص ۱۹۳

(۱۰۱) ایضاً،ص ۱۹۷

(۱۰۲) ایضاً،ص ۴۱۰

(۱۰۳) حمیدیان، سعید، ''غزل ہای سعدی: عاشقانہ یا عارفانہ؟''، مشمولہ سعدی شناسی، جلد ہفتم، بہ کوشش کورش کمال سردستانی، شیراز: مرکز سعدی شناسی، ۱۳۸۳،ص ۳۵)۔

(۱۰۴) سعدی شیرازی،کلیاتِ سعدی،محولہ بالا،ص ۳۷۰

(۱۰۵) ایضاً،ص ۵۴۴

(۱۰۶) ایضاً،ص ۴۹۵

(۱۰۷) ایضاً،ص ۵۲۶

(۱۰۸) ایضاً،ص ۴۱۴

(۱۰۹) ایضاً،ص ۵۴۷

(۱۱۰) ایضاً،ص ۵۰۰

(۱۱۱) ایضاً،ص ۴۲۳

(۱۱۲) میرتقی میر،کلیاتِ میر، دیوان سوم،جلد سوم،محولہ بالا،ص ۱۵۲

(۱۱۳) میرتقی میر،کلیاتِ میر، دیوان دوم،محولہ بالا،ص ۱۸

(۱۱۴) میرتقی میر،کلیاتِ میر، دیوان اوّل،محولہ بالا،ص ۴۶۶

(۱۱۵) میرتقی میر،کلیاتِ میر، دیوان دوم،محولہ بالا،ص ۳۵۶

(۱۱۶) میرتقی میر،کلیاتِ میر، دیوان اوّل،محولہ بالا،ص ۴۳۵

(۱۱۷) شکیل الرحمان، میرتقی میر کی جمالیات، دہلی، عرفی پبلی کیشنز، طبع دوم، ۲۰۱۱،ص ۴۶

(۱۱۸) میرتقی میر،کلیاتِ میر، دیوان اوّل،محولہ بالا،ص ۲۸۱

(۱۱۹) حمیدیان، سعید، ''غزل سعدی، عاشقانہ یا عارفانہ''، مشمولہ سعدی شناسی، جلد ہفتم، بہ کوشش کورش کمالی سروستانی، شیراز: مرکز سعدی شناسی، ۱۳۸۳،ص ۲۶۔

(۱۲۰) سعدی شیرازی،کلیاتِ سعدی،محولہ بالا،ص ۳۶۸

(۱۲۱) ایضاً: ۳۹۰

(۱۲۲) ایضاً،ص ۳۹۴

(۱۲۳) ایضاً،ص ۵۵۶

(۱۲۴) ایضاً،ص ۳۸۳

(۱۲۵) ایضاً،ص ۵۶۶

(۱۲۶) ایضاً،ص ۳۶۸

(۱۲۷) ایضاً،ص ۴۳۶

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

(۱۲۸) دشتی، علی، قلمرو سعدی، تہران: اداہ کل نگارش وزارت فرہنگ و ہنر، س ن، ص ۳۳۴

(۱۲۹) سیّد عبداللہ، ڈاکٹر، نقدِ میر، لاہور، مکتبہ خیابان ادب، نومبر ۱۹۶۸ء، ص ۴۵

(۱۳۰) میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوان دوم، جلد دوم، محولہ بالا، ص ۲۷۴

(۱۳۱) ایضاً، ص ۲۷۹

(۱۳۲) ایضاً، ص ۳۰۱

(۱۳۳) ایضاً، ص ۳۵

(۱۳۴) ایضا، ص ۳۹

(۱۳۵) ایضا، ص ۷۰

(۱۳۶) ایضا، ص ۲۶۵

(۱۳۷) ایضا، ص ۲۵۹

مآخذ

(۱) آل احمد سرور، میر کے مطالعہ کی اہمیت، مشمولہ، افکارِ میر، مرتب، ایم۔ حبیب خان، دہلی، عبدالحق اکیڈمی، طبع دوم، مارچ ۱۹۹۶ء۔

(۲) ثروتیان، بہروز، ''تشخیص یا استعارہ عشق وعقل در شعر سعدی''، مشمولہ سعید شناسی، جلد ہفتم، بہ کوشش کورش کمالی سردستانی، شیراز: مرکز سعدی شناسی، ۱۳۸۳ء،

(۳) جمیل جالبی، ڈاکٹر، محمد تقی میر، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، طبع دوم، ۱۹۹۴ء۔

(۴) حمیدیان، سعید، ''غزل سعدی، عاشقانہ یا عارفانہ''، مشمولہ سعدی شناسی، جلد ہفتم، بہ کوشش کورش کمالی سروستانی، شیراز: مرکز سعدی شناسی، ۱۳۸۳

(۵) دشتی، علی، قلمرو سعدی، تہران: اداہ کل نگارش وزارت فرہنگ و ہنر، س ن،

(۶) زرین کوب، عبدالحسین، حدیث خوش سعدی، تہران: سخن، ۱۳۸۳، ص ۱۷۔

(۷) سیّد احمد حسن، ڈاکٹر، صوفیانہ شاعری میں عشق کا تصور، دہلی، ناشر مصنف، ۱۹۸۶ء۔

(۸) سیّد احمد دہلوی، مؤلف، فرہنگِ آصفیہ، جلد سوم۔ دہلی نیشنل اکادمی، ۱۹۷۴

(۹) سیّد عبداللہ، ڈاکٹر، نقدِ میر، لاہور، مکتبہ خیابان ادب، نومبر ۱۹۶۸ء۔

(۱۰) شکیل الرحمان، میر تقی میر کی جمالیات، دہلی، عرفی پبلی کیشنز، طبع دوم، ۲۰۱۱

(۱۱) ضیا موحد، ''سعدی''، مشمولہ سعدی شناسی، جلد ۷، بہ کوشش کورش کمالی سردستانی، شیراز: مرکز سعدی شناسی، ۱۳۸۳،

(۱۲) کلب علی خاں فائق مرتب کلیاتِ میر، جلد اول، دیوان اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع دوم، جون، ۱۹۸۶ء۔

(۱۳) کلب علی خاں فائق، مرتب، کلیات میر، جلد دوم، دیوان دوم، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع دوم جنوری ۱۹۹۱ء۔

(۱۴) کلب علی خاں فائق، مرتب، کلیاتِ میر، جلد سوم، دیوان سوم، دیوان چہارم، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع دوم، جوم ۱۹۹۲ء۔

(۱۵) محمد حسین، آزاد، آبِ حیات، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء۔

(۱۶) موحد، ضیا، سعدی، تہران: طرح نو، ۱۳۷۸۔

(۱۷) نصرتی اور بہرامی، عبداللہ اور راضیہ، ''بررسی تطبیقی عشق در غزلیات مولانا، سعدی و حافظ''، فصلنامہ علمی۔ تخصصی دُر دری (ادبیات

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

غنایی،عرفانی)،سال سوم،شمارہ نہم،زمستان ۱۳۹۲،

(۱۸) نظری، نجمہ اور کمالی، راہلہ، ''عشق از دیدگاہ سعدی و اریک فروم،مشمولہ پژوہشنامہ ادب غنائی، زاہدان: دانشگاہ سیستان و بلوچستان، شمارہ بیست و چہارم، بہاروتابستان ۱۳۹۴،

(۱۹) یغمائی، افسانہ،سیری در اندیشہ سعدی و حافظ، جان دارو،تہران: سروا، ۱۳۸۲